© rasailojaraid.com

مہدی معاویہ

اسلام کا مطلوب اسٹیٹ بھی ہے

مولانا محمد عیسیٰ منصوری بھارتی نژاد عالم دین ہیں اور ایک طویل عرصہ سے برطانیہ میں سکونت پذیر ہیں۔گزشتہ شمارے میں اُن کا ایک مضمون بہ عنوان''اسلامی معاشرے کو درپیش حقیقی خطرات'' شائع ہوا۔یہی مضمون''ماہنامہ''الفرقان'' لکھنؤ کے شمارہ مئی میں''اسلام کا نصب العین کیا ہے؟'' کے زیرِ عنوان شائع ہوا۔دراصل مولانا نے مضمون بلاعنوان ارسال فرمایا اور دونوں رسائل میں ادارہ نے اپنے اپنے عنوانات قائم کیے۔مولانا ایک دردمند دل رکھنے والے بیدار مغز عالم دین ہیں۔اُن کے خیالات سے تو اختلاف ہوسکتا ہے مگر اُن کے خلوص سے نہیں۔وہ تنقید برائے تعمیر کو کھلے ذہن سے قبول کرتے ہیں۔ہمارے ایک قاری نے مولانا کے مضمون پر اپنا تنقیدی نقطۂ نظر ارسال کیا۔اس طرح مکالمے کی ایک صورت پیدا ہوگئی۔جناب مہدی معاویہ کا جوابی مضمون اُن کے نقطۂ نظر کے طور پر نذرِ قارئین ہے۔(ادارہ)

''نقیبِ ختمِ نبوت'' کے شمارہ مئی میں مولانا محمد عیسیٰ منصوری صاحب کا ایک مقالہ بہ عنوان''اسلامی معاشرے کو درپیش حقیقی خطرات'' پڑھنے کا اتفاق ہوا۔مولانا عیسیٰ منصوری صاحب ایک صاحب علم اور صاحب فکر و دانش آدمی ہیں۔خیال تھا کہ اس مقالے میں ضرور ایسی تجاویز ہوں گی جو علمی سطح پر ہوا کا تازہ جھونکا ثابت ہوں گی مگر مولانا کے اس مقالے سے ہم جیسے سادہ لوح بندوں کی تشویش کم کیا ہوئی،اضافہ ہی ہوا ہے۔ہمارا ابھی عمومی مزاج یہ بن چکا ہے کہ مکہ و مدینہ سے اٹھنے والی صداؤں کی طرف توجہ کم کم دیتے ہیں اور لندن،واشنگٹن سے آنے والے افکار و اوہام کو زیادہ رغبت کے ساتھ پڑھتے سنتے اور ان پر سر دھنتے ہیں۔سیاست کی طرح مذہبی شعور کا منبع و مرکز بھی مغرب کو تسلیم کرلیا گیا ہے **فیا لله لغربة الاسلام**.

مولانا نے اپنے مقالے میں''اسلام کا مطلوب اسٹیٹ ہے یا بہبودِ انسانی؟'' کے اردگرد گھومنے والے سوالات کو ایک نئے انداز میں پیش کیا ہے۔مقالے کے مندرجات میں سلجھاؤ کی بجائے الجھاؤ زیادہ ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ مولانا خود بھی اپنی فکر میں پوری طرح یکسو نہیں ہیں:

☆ مثلاً ایک طرف مولانا کو گلہ ہے کہ''صدیوں سے مذہبی طبقے کا دائرہ کار عقائد و عبادات اور نیک بننے کی مشق رہ گیا ہے''......گویا یہ بھی کوئی کرنے کا کام ہے؟ لیکن دوسری طرف وہ''دعوت کا ایمپائر'' بھی قائم کرنا چاہتے ہیں۔

☆ ایک طرف وہ فرماتے ہیں کہ اسلام کا مطلوب اسٹیٹ نہیں مگر دوسری طرف اسپین کی مسلم اسٹیٹ کو اپنے خوابوں کی سرزمین میں سجائے بیٹھے ہیں اور وہاں ہونے والی سائنسی ترقی اور علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کو فخر کے طور پر پیش فرماتے ہیں۔اس باب میں بھی وہ یکسو نظر نہیں آتے۔مثلاً وہ فرماتے ہیں مسلم سٹیٹس میں حکومتوں کی باہم دگر سر پھٹول کے باوجود مسلم معاشرہ کام کرتا رہا۔مگر ہمارے جیسے ادنیٰ طالب علموں کو اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملتا کہ مسلم معاشرہ اگر اتنا ہی مضبوط تھا اور وہاں کی سائنسی ترقی مسلم حکومتوں سے اتنی ہی بے نیاز تھی تو سقوطِ ہسپانیہ کے بعد یہ ترقی کیوں رک گئی اور وہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طاقت ور مسلم معاشرہ کہاں گیا۔

☆ مولانا کے مقالے میں انکار جہاد کا عنصر تلاش کرنا یقیناً جسارت ہوگی لیکن کیا کیجیے کہ (مولانا) کے دیگر مضامین کو بھی سامنے رکھتے ہوئے) موجودہ مضمون میں محض دعوت اور سائنسی ترقی کو حرفِ آخر کے طور پر اپنانے نیز اسٹیٹ کے حوالے سے جدوجہد کرنے والے مزعومہ ''انتہا پسندوں'' کو امت مسلمہ سے کاٹ کر ایک طرف پھینک دینے کی روش، جہاد گریز تصور کو یقیناً ابھارتی ہے جو عملی نتائج کے اعتبار سے انکارِ جہاد ہی کی ایک شاخ ہے۔ مولانا کی فکر کے مطابق اسٹیٹ اور حکومت تو خود بخود حاصل ہونے والی چیزیں ہیں۔ چوں کہ ''اسٹیٹ اور اقتدار کا لفظ ہی اقوام عالم کے درمیان تناؤ، فاصلے اور بدگمانی کے ڈھیر لگا دیتا ہے۔'' اس لیے مولانا نے اپنے فکر وخیال کا سانچہ ایسا ترتیب دیا ہے جس میں اسٹیٹ اور اقتدار کی معمولی آمیزش نہ ہو۔

سچی بات یہ ہے کہ مولانا کے منتشر خیالات کے حامل اس مضمون کا کوئی مربوط نظم تلاش کرنا ناممکن نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ البتہ ایک بات جس پر ہمیں شدید ذہنی خلجان ہوا اور واقعی قابل غور بات ہے۔ اس کے متعلق کچھ عرض کیا جانا ضروری ہے۔ مولانا فرماتے ہیں:

> ''ہمارے نزدیک اسلام جیسے آفاقی اور پوری انسانیت کے لیے پیغام رکھنے والے مذہب کو اسٹیٹ کی تنگنائیوں میں بند کرنا ہی ناقابل فہم ہے...... اسٹیٹ اور اقتدار کا لفظ ہی اقوام عالم کے درمیان تناؤ، فاصلے اور بدگمانی کے ڈھیر لگا دیتا ہے...... جب ہم اسٹیٹ کے قیام کے نصب العین کے لیے قرآن وسنت اور حضرات انبیاء علیہم السلام کی زندگیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں تو قرآن کی ایک آیت بھی براہِ راست ہم سے اسٹیٹ کے قیام کا مطالبہ نہیں کرتی اور نہ کوئی واضح حدیث اس کام کا مکلّف بناتی ہے۔ البتہ قرآن نے ایمان و عمل صالح پر استخلاف فی الارض کا وعدہ ضرور کیا ہے۔ اسی طرح ہزار ہا احادیث میں ایک حدیث بھی واضح طور پر اسٹیٹ کے قیام کا مطالبہ نہیں کرتی...... یہ بات بھی جائے غور ہے کہ اسلام کے ۱۴ سو سالہ دور میں کسی صحابی، تابعی، مجتہد، محدث، عالم یا فقیہہ اور بزرگ وولی نے قرآن وسنت اور سیرت سے اسلام کا نصب العین اسٹیٹ کا قیام نہیں سمجھا...... ہمارے نزدیک اسلام جیسے واضح نصب العین رکھنے والے مذہب کے متعلق یہ تصور ہی ناقابل فہم اور گمراہ کن ہے...... وغیرہ وغیرہ''

یہ ناچیز اگر مذکورہ بالا افکار کو انکارِ قرآن وسنت اور اجماعِ امت کہے تو قبل از وقت بات ہوگی۔ آگے بڑھنے سے پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ اسٹیٹ کیا ہے؟ یا دینی تحریکیں جب اسٹیٹ کی بات کرتی ہیں تو ان کا مطمحِ نظر کیا ہوتا ہے۔ مثلاً جب مجلس احرار اسلام حکومتِ الٰہیہ کے قیام کی بات کرتی ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے، ایک ایسا خطہ وجود میں لایا جائے جہاں شرعی احکام کا نفاذ ہو۔ قرآن وسنت کی حکمرانی ہو، لوگوں کے معاملات کے فیصلے اسی کے مطابق کیے جائیں۔ عمومی طور پر غلبہ دین ہو اور کفر وشرک مغلوب ہوں۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ جب شرعی احکام کا نفاذ کیا جائے گا تو اس کے لیے کسی خطے کی ضرورت بھی ہوگی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۔کیونکہ یہ احکام ہوائی چیز نہیں ہیں کہ محض فضا ہی فضا میں قائم کر دیئے جائیں اور لوگ خود بخود متمتع ہوتے رہیں۔اس حوالے سے متعدد علماء امت کی تصریحات موجود ہیں۔

علی بن محمد رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''احکام السلطانیہ'' میں امامت وخلافت کی تعریف اس طرح کی ہے:

''نبی اکرم ﷺ کی نیابت میں دین کی حفاظت اور دنیا کی سیاست کا نام خلافت ہے۔''

''عقائد نسفیہ'' میں علامہ نسفی رحمہ اللہ نے اس طرح تعریف کی ہے:

''حضور ﷺ کی نیابت میں اقامت دین کی اس سرپرستی اور قیادت کا نام خلافت ہے۔جس کی متابعت واطاعت تمام انسانوں پر واجب ہو۔''

قرآن مجید میں اسی خلافت کو بطور نعمت ذکر فرمایا گیا ہے:

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (البقرہ)

''اور وہ وقت قابل ذکر ہے جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰکَ خَلِیْفَۃً فِی الْاَرْضِ فَاحْکُمْ بَیْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (سورۃ ص)

''اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا ہے پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور نفس کی پیروی نہ کر کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دے گی''

اہل سنت والجماعت نے نصب امامت وخلافت کے لیے قرآن کریم کا مندرجہ ذیل آیات سے استدلال کیا ہے:

(۱) یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ج فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ (النساء:۵۹)

''اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں پھر اگر تمہارا آپس میں کسی بات پر جھگڑا ہو جائے تو اس کو رجوع کرو اللہ اور رسول (ﷺ) کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور یوم آخرت پر۔''

(۲) وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ (النساء)

''اور جو لوگ اللہ کے نازل کردہ قانون کے مطابق فیصلہ نہ کریں وہی لوگ کافر ہیں''

(۳) وَاَنِ احْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ (المائدہ)

''اور لوگوں میں اللہ تعالیٰ کے اس قانون کے مطابق حکم کیا کر جو قانون اللہ نے نازل کیا ہے''

(۴) فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَلَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَھُمْ

''پس لوگوں میں اس قانون کے موافق' جو اللہ نے اتارا حکم کرو، اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کرو'

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۵) وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ (النساء)

اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگوتو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو‘‘

ان تمام آیات میں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ مسلمانوں پر وہ احکام نافذ کرو جو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے نازل فرمائے ہیں پہلا خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے اور آپ کے واسطے سے پوری امت کو خطاب ہے، جب یہ مسلمانوں کو حکم ہوا تو تنفیذ شریعت کا یہ عمل خلیفہ وسلطان کے بغیر ممکن ہی نہیں لہذا مسلمانوں پر خلیفہ وامام واجب ہو گیا تا کہ وہ پوری قوت اور نظم وضبط کے ساتھ ان احکام کو نافذ کریں۔احکام کی تنفیذ کے لیے امام کے پاس قوت وطاقت،فوج اور خطہ ٔ ارض ہونا ضروری ہے۔

اب آتے ہیں حدیث کی طرف کہ وہاں ہمیں قیام خلافت کا ’’اشارہ‘‘ ملتا ہے کہ نہیں؟

(۱) نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص ایسی حالت میں انتقال کر گیا کہ اس کی گردن میں کسی خلیفہ کی بیعت نہ تھی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔(مسلم)

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی امام کی بیعت کی اور اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ میں رکھ لیا اور اپنے دل کی محبت کو اس پر پیش کر دیا تو اس کو چاہیے کہ مقدور بھر اس کی اطاعت کرے اور اگر کوئی شخص آکر امیر کے ساتھ امارت پر جھگڑنے لگے تو تم سب اس دوسرے کی گردن اڑادو(مسلم)

(۳) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جماعت حقہ کے ساتھ مل کر رہنا اللہ کی رحمت ہے اور جماعت حقہ سے الگ رہنا عذاب الٰہی ہے۔(مسند احمد)

(۴) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ امام عادل اور خلیفہ ٔعادل کی اطاعت میں ایک دن گزارنا ساٹھ سال کی عبادت سے زیادہ افضل ہ اور اللہ تعالیٰ کی حدود میں سے ایک حد کو قائم رکھنا چالیس دن کی رحمت والی بارش سے زیادہ باعث برکت ہے۔(طبرانی)

(۵) حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امام وخلیفہ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امام وخلیفہ کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی (بخاری)

خلافت اسلامیہ کا قیام واستمرار اہم ترین واجبات میں سے ہے اور یہ بات اجماع امت سے ثابت ہے۔حضور نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ رضی اللہ عنہم نے جس چیز کو سب سے زیادہ ضروری سمجھا وہ نصب امام ہی کا مسئلہ تھا حتیٰ کہ آپ ﷺ کی تدفین بھی بعد میں کی گئی۔خلفاء راشدین کے دور میں جب بھی کسی خلفیۃ المسلمین کا انتقال ہوا فوراً آئندہ خلیفہ کی بیعت کر لی گئی۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی زندگی میں اپنے بعد سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کو خلیفہ نامزد فرمایا اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے یزید کو اپنے بعد خلیفہ نامزد فرمایا۔چنانچہ علامہ شہرستان نہایۃ الاقدام میں لکھتے ہیں کہ:

’’صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ اجماع ایک قطعی دلیل ہے کہ نصب امام اور خلیفہ کا تقرر کرنا مسلمانوں پر واجب ہے۔‘‘

علامہ ابن حجر ہیثمی صداعق الحرقہ میں فرماتے ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

''صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے قیام خلافت کو اتنا اہم و واجب قرار دیا کہ اس کو حضور ﷺ کی تدفین پر مقدم کیا''

علامہ ماوردی اپنی کتاب احکام السلطانیہ میں لکھتے ہیں:

''نصب امام اور قیام خلافت بالا جماع مسلمانوں پر واجب ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں''

علامہ نوی ''شرح مسلم'' میں لکھتے ہیں:

''مسلمانوں کا اس بات پر اجماع ہے کہ تمام مسلمانوں پر ایک خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے''

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ اپنی کتاب منہاج السنہ میں لکھتے ہیں:

''اسلامی خلافت دین کے بڑے واجبات میں سے ایک واجب ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دین اسلام کا قائم رہنا خلافت کے ساتھ ہی وابستہ ہے کیونکہ انسان کی زندگی کے اجتماعی مصالح خلافت کے بغیر ناممکن ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا حکم دیا ہے یہ دونوں خلافت و امامت اور قوت کے بغیر نامکمل ہیں''

حضرت امام غزالیؒ ''الاقتصاد فی الاعتقاد'' میں لکھتے ہیں:

''دین و دنیا اور مال و جان کی حفاظت بغیر امام و سلطان اور خلیفہ کے ممکن نہیں چنانچہ کسی خلیفہ کے انتقال کے بعد جو فتنے اور فسادات سر اٹھاتے ہیں وہ کسی پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ اگر نئے خلیفہ کے تقرر کے بغیر اوقات یوں ہی گزرنا شروع ہو جائیں تو دائمی فساد اور قتل و غارت گری شروع ہو جائے گی (جیسا کہ ہمارے آج کے زمانے میں ہو رہا ہے)......یہی وجہ ہے کہ مقولہ مشہور ہے اَلدِّیْنُ والسلطان تَوْءَمَانِ یعنی دین اور خلیفہ دونوں جڑواں بھائی ہیں۔''

آگے چل کر حضرت امام غزالی نے نہایت حکیمانہ انداز میں اس بات کو واضح فرمایا ہے جو آج کل جدیدیت پسند جہاد گریز مخالفین کے لیے سرمۂ بصیرت ہے وہ فرماتے ہیں:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا کے لوگ الگ الگ رائے رکھتے ہیں' ان کے الگ الگ طبقات ہیں اور سب کے الگ الگ خیالات ہیں اب اگر ان کو اسی طرح آزاد چھوڑ دیا جائے تو سب تشتت وافتراق اور نفاق کا شکار ہو جائیں گے (جیسا کہ آج کے زمانے میں ہے) اب اگر یہ سب خیالات اور احساسات اور جذبات ایک احساس اور ایک رائے اور ایک جذبے کے ماتحت نہ ہو جائیں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے۔ لہٰذا اس بیماری کا واحد علاج یہی ہے کہ یہ سب خیالات ایک ایسے بادشاہ اور خلیفہ کے تابع ہو جائیں جو طاقت ور اور صاحب قدرت خلیفہ ہو۔ معلوم ہوا کہ دین اور دنیا دونوں کے سنبھالنے اور ان کے انتظام کے لیے ایک خلیفہ کا ہونا ضروری ہے۔''

امام المجاہدین امیر المؤمنین سید احمد شہیدؒ امامت وخلافت کی ضرورت اس طرح بیان فرماتے ہیں:

(ترجمہ) ''حقیقت میں مطابق مقولہ مشہور ہے کہ ''دین وسلطنت جڑواں ہیں''۔ اگرچہ یہ قول حجت شرعی نہیں ہے لیکن مدعا کے موافق ہے کہ دین کا قیام سلطنت کے ساتھ ہے اور وہ دینی احکام جن کا تعلق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سلطنت سے ہے سلطنت کے نہ ہونے سے صاف ہاتھ سے نکل جاتے ہیں اور خلافت کے نہ ہونے کی صورت میں مسلمانوں کے کاموں کی خرابی، سرکش کفار کے ہاتھوں ان کی ذلت ورسوائی، شریعت مقدسہ کے بے حرمتی، شعائر اللہ کی توہین اور مسلمانوں کی مساجد ومعابد کی تخریب جیسے فسادات کا ظاہر ہونا بالکل واضح ہے۔'' (تاریخ دعوت وعزیمت ص ۴۰۵)

علماء ومحدثین اور مجتہدین نے جہاں قیام سلطنت وخلافت کا وجوب بیان کیا ہے وہیں یہ بھی بتایا ہے کہ یہ فریضہ کن لوگوں پر عائد ہوتا ہے۔ قاضی ابویعلیٰ فرماتے ہیں:

''قیام خلافت فرض کفایہ ہے، دوقسم کے لوگوں پر اس کے قیام کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اوّل وہ لوگ ہیں جو درجۂ اجتہاد پر فائز ہیں دوسرے وہ لوگ ہیں جن میں خلیفہ وامام بننے کی شرائط پائی جاتی ہیں۔''

(احکام سلطانیہ لابی یعلیٰ ص ۱۹)

علامہ ماوردی شافعی فرماتے ہیں:

''نصب امام فرض کفایہ ہے، اگر اس کام کے لیے کوئی کھڑا نہیں ہوا تو پھر دوقسم کے لوگوں کو اٹھ کر کھڑا ہونا ہوگا ایک تو اہل اجتہاد اور اہل انتخاب کو چاہیے کہ وہ کسی کو خلیفہ کے طور پر منتخب کرلیں دوسرے وہ لوگ ہیں جو امامت کی اہلیت رکھتے ہیں۔'' (احکام السلطانیہ لامام ماوردی)

حاصل کلام:

مولانا عیسیٰ منصوری صاحب نے فرمایا کہ انہیں قرآن وحدیث سے کہیں کوئی واضح اشارہ اسٹیٹ کے قیام کا نہیں ملتا نہ ہی کسی مجتہد، فقیہہ، عالم اور محدث اور بزرگ وولی نے اسلام کا مطلوب اسٹیٹ سمجھا ہے۔ ہم نے قرآن وحدیث اور اجماع صحابہ وامت سے بدلائل ثابت کردیا ہے کہ اسٹیٹ کے حوالے سے مختلف دینی تحریکات کی جدوجہد کسی خانہ ساز نظریئے کے تحت نہیں اور نہ ہی سید مودودی، حسن البناء اور قطب شہید کو اس میں اختصاص ہے بلکہ یہ جدوجہد قرآن وسنت کے منشا کے عین مطابق ہے اور اس پر اجماعِ امت اور تعامل امت ہے۔ اب مولانا فرمائیں کہ ''قرآن کی کوئی ایک آیت اور کوئی واضح حدیث اسٹیٹ کے قیام کا مطالبہ نہیں کرتی ...... یہ تصور ہی ناقابل فہم اور گمراہ کن ہے'' نیز وہ فرمائیں کہ ''جب کبھی معاشرہ و افراد پر ایمان واسلام کا رنگ چڑھا وہ خود بخود اسلامی اسٹیٹ قائم ہوگی'' ...... یہ کہنا بجائے خود ہمیں ناقابل فہم اور گراں کن لگا اس لیے کہ یہ قرآن وحدیث کی نصوص اور اجماع امت کا کھلا انکار ہے اور یہ خود بخود والی بات تو اچھا خاصا مخول محسوس ہوئی۔ ذرا غور فرمایئے! امام المجاہدین سید احمد شہیدؒ کا رائے بریلی سے برصغیر کا طویل چکر کاٹ کر پشاور پہنچنا اور اسلامی اسٹیٹ قائم کرنا، بالآخر تمام ساتھیوں سمیت مظلومانہ مارے جانا، مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی کا بغیر کسی تیاری اور ساز و سامان کے شاملی کا جہاد کرنا، حضرت شیخ الہند کا تحریک ریشمی رومال چلانا، افریقہ کے صحراؤں میں شیخ احمد السنوسی کا جہاد و حکومت کے لیے مارا مارا پھرنا...... یہ سب تو احمقانہ حرکتیں ہوئیں۔ کیا کوئی مسلمان دینی جدوجہد اس لیے کرتا ہے کہ دنیوی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فائدہ حاصل ہو؟ وہ تو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لیے ان کٹھن وادیوں سے گزرتا ہے خواہ فتح حاصل ہو یا شکست مقدر ہو۔

ہم نے مولانا کا پورا مضمون پڑھا، ہمیں نہ تو کہیں خطرات کی بات نظر آئی اور نہ ہی سدِّ باب کی ٹھوس تجاویز معلوم ہوئیں، الٹا بہت سی باتوں پر سوالیہ نشان ضرور پیدا ہوئے۔ مسئلہ یہ ہے کہ ہمارے دانش وروں کا خفقانی طبیعت رکھنے والا طبقہ علمی طور پر مغرب کے سامنے سپر انداز ہو چکا ہے۔ مغرب کی مادی ترقی، سائنسی عروج اور ٹیکنالوجی کی بہتات نے بوکھلا دیا ہے۔ حالانکہ یہ سب قرآن کی زبان میں دھوکے کی ٹٹی کے سوا کچھ نہیں۔ عالم اسلام کو سائنسی ترقی کی اتنی ضرورت نہیں جتنی ایمان، عمل صالح، جرأت و ہمت، شجاعت اور سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی کبھی نہ ختم ہونے والی قوت و طاقت پر غیر متزلزل یقین و اعتماد کی ضرورت ہے، اسی کے لیے محنت کی ضرورت ہے۔ صرف سائنسی ترقی اور ٹیکنالوجی کی بہتات تو ان پاکیزہ ایمانی صفات کو ملیا میٹ کرتی ہیں۔

اقوامِ عالم (کفار) ہمارے اسٹیٹ کے قیام کی جدوجہد سے تناؤ میں آجاتی ہیں یا ان کے سامنے بدگمانی کے ڈھیر لگ جاتے ہیں تو ان کی بدقسمتی۔ وہ تو ہمارے مسجد بنانے، نماز پڑھنے، داڑھی رکھنے، حج کا فریضہ ادا کرنے، زکوٰۃ دینے اذان دینے اور حجاب اختیار کرنے سے بھی تناؤ میں آجاتی ہیں...... تو کیا ان شرعی امور کو اس لیے چھوڑ دیا جائے گا کہ اقوام عالم کہیں بدگمان نہ ہو جائیں...... خوش فہم کب تھیں؟ سادگی کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔

آج امتِ مسلمہ کو جتنا خطرہ باہر سے ہے اس سے کہیں زیادہ خطرہ اندر سے ہے۔ ہمارے مختلف طبقات ایک دوسرے کے کام کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں، اہل تبلیغ و دعوت اہل جہاد کی نکیر کرتے ہیں، خانقاہ والے سیاست والوں کو رگید تے ہیں، سیاست والے اپنے سوا کسی کو امت کا کھیون ہار ماننے کے لیے تیار نہیں۔ رہا اہل فکر و دانش کا طبقہ اس کا اپنا مخصوص مزاج اور پیرایۂ اظہار و بیان ہے جس میں وہ اپنے علاوہ کسی کو فٹ نہیں پاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ امت کے لیے سب سے زیادہ خطرناک طبقہ یہی ہے۔ ضرورت تو اس امر کی ہے کہ امت کے تمام طبقات ایک دوسرے کے کام کو تسلیم کریں، اپنے کام کے اثبات کے ساتھ دوسرے کے کام کو سراہیں اور مدد و تعاون کی راہیں تلاش کریں۔ آپ ہی بتایئے کہ اہل تبلیغ نہ ہوں تو عامۃ الناس کو دین کی طرف راغب کون کرے گا؟ خانقاہ والے نہ ہوں تو تزکیۂ نفس و تطہیرِ قلب کا فریضہ کون انجام دے گا؟ اہل مدارس نہ ہوں تو دینی علوم کی حفاظت کیونکر ممکن ہو گی؟ اہل جہاد نہ ہوں تو سرکش کفار کو جواب کون دے گا؟ اہل سیاست نہ ہوں تو دینی اقدار کی پاسبانی کا کام کون کرے گا؟...... آپ کو، مجھے یا کسی کو بھی کسی فرد یا جماعت سے شکایات ہو سکتی ہیں اور یقیناً جائز ہو سکتی ہیں مگر ان کا اظہار محبت، ہمدردی اور دل سوزی کے ساتھ ہونا چاہیے نہ کہ کسی طبقے کو انتہا پسند قرار دے کر سوادِ اعظم سے کاٹ کر علیحدہ کر دینے کا جذبہ ہونا چاہیے۔ یہ ناممکن ہے کہ سارے طبقے اپنے اپنے کام چھوڑ کر ایک ہی کام میں لگ جائیں اور ''دعوت کا امپائر'' قائم کرنے کے لیے زندگیاں کھپا دیں...... سب کے مورچے الگ ہیں۔ ضرورت ان مورچوں کے آپس میں ربط و ضبط کی ہے، مل جل کر ایک دسرے کا دکھ سکھ سہتے ہوئے مغرب کی عسکری، تہذیبی، ثقافتی، سائنسی اور علمی یلغار کا مقابلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

© rasailojaraid.com